© rasailojaraid.com

مولانا عبدالرحمان کیلانی

مقالات

امام ابنِ تیمیہؒ اور متصوفین

امام ابنِ تیمیہؒ کے مختصر حالاتِ زندگی

امام ابنِ تیمیہؒ ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ کو (مطابق ۱۲۶۳ء) شام کے ایک گاؤں حرّان میں پیدا ہوئے۔ ساتویں پشت پر آپ کی لکڑ دادی کا نام تیمیہ تھا، اسی نسبت سے تیمیہ کی تمام اولاد ابنِ تیمیہؒ کہلائی۔ آپ کا نام احمد، لقب تقی الدین اور کنیت ابو العباس ہے، شجرہ نسب اس طرح ہے: تقی الدین ابو العباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن ابی القاسم بن محمد بن تیمیہ۔

پانچ برس کی عمر تک اپنے گاؤں حران میں قیام پذیر رہے اور ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔ چھٹے سال آپ کے والد ماجد عبدالحلیم آپ کو اپنے ہمراہ دمشق لے گئے۔ آپ کے والد دمشق کے مدرسہ السکریہ میں شیخ الحدیث تھے، اسی مدرسہ میں امام صاحب کو حصولِ تعلیم کی غرض سے داخل کیا گیا۔ بلا کا حافظہ پایا تھا۔ لہٰذا سترہ سال کی عمر میں ہی تحصیلِ علم سے فراغت حاصل کر لی۔ آپ کے حافظہ کے متعلق کئی ایک واقعات مشہور ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب آپ کے حافظہ کا شہرہ ہوا تو حلب کے ایک شیخ محض اس غرض سے دمشق تشریف لائے کہ اس نوخیز طالب علم کے حافظہ کا امتحان کریں۔ چنانچہ وہ اس راستہ میں منتظر بیٹھ گئے، جس راستہ سے امام موصوف اپنے مدرسہ کو جایا کرتے تھے۔ شیخ موصوف نے آپ کو بلا کر کہا، بیٹے آپ کے پاس جو تختی ہے، اسے صاف تو کرو۔ تختی صاف ہونے پر شیخ نے امام صاحب کو اس تختی پر تیرہ حدیثیں لکھوا دیں۔ تختی بھر گئی تو شیخ موصوف کہنے لگے کہ بیٹا، اب انہیں پڑھ کر سنا دو۔ آپ نے تختی پر ایک نظر ڈالی، پھر یہ تختی شیخ کے حوالے کر کے کہنے لگے کہ میں یہ ساری حدیثیں زبانی ہی سنا دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے یہ سب حدیثیں فرفر سنا دیں۔ شیخ صاحب بہت متعجب ہوئے اور مزید توثیق کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاطر تختی صاف کرا کے دوبارہ اتنی ہی احادیث مع اسناد لکھوادیں۔ امام صاحب نے اب کی بار بھی ایک نظر ان احادیث پر ڈالی اور تختی شیخ کے ہاتھ میں تھما کر سب احادیث بمعہ اسناد زبانی سنادیں۔ شیخ موصوف بہت حیران ہوئے۔ جو کچھ انہوں نے سنا تھا، اس سے بڑھ کر امام صاحب کو پایا اور سمجھ گئے کہ کسی دن یہ ہونہار طالب علم شہرِ علم پر آفتاب بن کر چمکنے والا ہے۔

اسی طرح کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن آپ کے گھر والوں نے تفریح کا پروگرام بنایا۔ والدِ بزرگوار نے آپ کو بھی اس تفریحی پروگرام میں شامل ہونے کو کہا، لیکن آپ نے اسے تضیع وقت سمجھتے ہوئے ساتھ جانا پسند نہ کیا۔ گھر کے دوسرے لوگ چلے گئے اور جب شام کو واپس آئے تو اس پروگرام کی کامیابی پر مسرت کا اظہار کرنے لگے۔ آپ کے والد نے کہا، اگر تم ساتھ جاتے تو یقیناً لطف اندوز ہوتے۔ آپ نے فرمایا، میری اصل خوشی تحصیلِ علم میں ہے۔ اگر میں آپ کے ساتھ چلا جاتا تو یہ کتاب یاد نہ کر سکتا تھا۔ والدِ بزرگوار نے وہ کتاب آپ کے ہاتھ سے لے کر جستہ جستہ مقامات سے پوچھنا شروع کر دیا۔ اور جب آپ نے ہر ہر مقام سے آگے کی عبارت سنادی تو انہوں نے کہا: بیٹا، اس واقعہ کا کسی اور سے ذکر نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کی نظر لگ جائے۔

ممکن ہے ان واقعات میں کچھ مبالغہ آرائی کا رنگ بھی شامل ہو، کیونکہ ایسے واقعات عموماً مشاہیر کی وفات کے بعد ہی لکھے جاتے ہیں۔ لیکن جب ہم آپ کی تصانیف کے داخلی امور کو بنظرِ غائر دیکھتے ہیں، تو ایسے واقعات کی از خود تصدیق ہو جاتی ہے۔

آپ کو تحصیلِ علم کے بعد سترہ برس کی عمر میں ہی فتویٰ کی اجازت مل گئی تھی۔ جب بائیس برس کے ہوتے تو ۳۰ ذی الحجہ ۶۸۲ھ کو آپ کے والد ماجد انتقال کر گئے اور آپ اپنے والدِ بزرگوار کی جگہ حکومت کی طرف سے مدرسہ السکریہ کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ ۲ محرم ۶۸۳ھ کو آپ نے افتتاحی درس دیا۔ چونکہ آپ کے حافظہ اور علم کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا، لہٰذا اطراف و جوانب کے علماء و فقہا کثیر تعداد میں اس درس میں شریک ہوئے۔ آپ نے اس افتتاحی درس میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے تفسیری نکات اس انداز سے بیان کیے کہ سامعین حیران رہ گئے۔

افتاء، تدریس، اور تبلیغ کے علاوہ آپ کا جو تھا کام ملکی سیاست میں زبانی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عملی دونوں طرح سے حصہ لیتا تھا، گویا آپ صرف اہلِ بزم ہی میں سے نہ تھے، اہلِ رزم میں سے بھی تھے۔ جب بغداد پر قبضہ کرنے کے بعد تاتاریوں نے شام اور مصر کا رُخ کیا، تو آپ نے اپنی پرجوش تقریروں کے ذریعہ لوگوں میں جہاد کی رُوح کو بیدار کیا اور ان کے منجمد خون کو حرارت پہنچائی۔ پھر عملی طور پر بھی جہاد میں نہایت جرأت وشجاعت سے حصہ لیا، تا آنکہ تاتاریوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

ساتویں صدی ہجری میں جس قدر شرک و بدعات کو فروغ ہوا، شاید ہی کسی دَور میں ہوا ہوگا۔ لہٰذا آپ کو چوطرفہ لڑائی لڑنا پڑی۔ آپ کتاب وسُنّت کی اتباع میں اس قدر متشدد تھے کہ ایک انچ بھی اِدھر اُدھر ہٹنا گوارا نہ فرماتے تھے۔ جہاں کہیں بھی کتاب وسُنّت کے خلاف کوئی بات دیکھتے، نہایت جرأت و بیباکی سے حق کا برملا اظہار کردیتے تھے۔ جن جن فرقوں، یا لوگوں سے آپ کو سابقہ پڑا، ان میں سے قابلِ ذکر یہ ہیں:

(۱) مبتدعین (۲) منطقیین (۳) متصوفین (۴) مقلدین (۵) شیعہ (۶) عیسائی اور یہودی

آپ علم وفضل کے لحاظ سے یگانہ روزگار تھے اور حکومت اور عوام میں آپ کی مقبولیت بھی تھی، تاہم جس بیباکی سے آپ نے مندرجہ بالا فرقوں کو اپنی تنقید کا ہدف بنایا تھا، اس کا لازمی نتیجہ یہی کچھ ہونا چاہیے تھا کہ آپ کی مقبولیت سے آپ کی مخالفت بھی زیادہ ہو۔ اور یہ کوئی نرالی بات بھی نہیں، دنیا کا دستور ہی یہ ہے کہ جب بھی کوئی دینی یا اصلاحی تحریک اٹھتی ہے تو جس قوت سے اُبھرتی ہے اس سے زیادہ قوت کے ساتھ اس کی مخالفت ہوتی رہی ہے۔ دنیا نے انسانیت میں انبیائے کرام علیہم السلام ایسا مصلح انسانیت اور کون ہوسکتا ہے؟ پھر یہ کیسی تلخ حقیقت ہے کہ انہی برگزیدہ گروہ کی سب سے زیادہ مخالفت ہوتی رہی ہے اور انہی پاکباز ہستیوں کو سب سے زیادہ مصائب وآلام سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

آپ کے مخالفین نے آپ کو زندگی بھر پریشان کیا۔ آپ پر کفر کے فتوے بھی لگائے گئے، اور آپ کو دوبار قید میں بھجوانے میں بھی کامیاب ہوگئے۔ پہلی دفعہ دو سال (۷۰۷ھ تا ۷۰۹ھ) قید میں کاٹے۔ اور دوسری بار جب ۷۲۵ھ میں قید میں ڈالے گئے، تو بالآخر تین سال بعد ذی قعدہ ۷۲۸ھ میں قید خانہ میں ہی اللہ کو پیارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

آپ قید خانہ میں بہت خوش رہے کیونکہ یہاں آپ کو سکون سے کام کرنے کا موقع ملا۔ آپ اپنے ان مخالفین کو دعائیں دیا کرتے تھے، جنہوں نے آپ کو قید میں بھجوانے کی کوششیں کی تھیں۔ جب قید میں بھی آپ نے اپنے مخالفین کا جواب لکھنا شروع کر دیا، تو انھوں نے سلطان سے شکایت کر کے آپ سے قلم دوات، کتابیں اور تحریریں بھی اٹھوالیں، جو ساٹھ کتابوں اور، اکا غذات کے بستوں پر مشتمل تھیں۔ اس بات سے آپ کو بہت زیادہ صدمہ ہوا اور بالآخر آپ نے کوئلہ سے خطوط لکھنا شروع کر دیئے تھے۔

اگرچہ آپ اپنے آپ کو امام احمد بن حنبلؒ کی طرف منسوب فرماتے تھے، تاہم آپ میں مجتہدِ مطلق کے تمام اوصاف پائے جاتے تھے۔ آپ کے لاتعداد شاگردوں میں دو ایسے ہیں، جنہیں شہرتِ دوام حاصل ہوئی اور وہ ہیں علامہ ابنِ قیمؒ اور حافظ ابنِ کثیرؒ۔

اب ہم اپنے موضوعِ زیرِ بحث کی طرف آتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ فنِ تصوف کب شروع ہوا، امام موصوف کے دور میں یہ فن کتنی منزلیں طے کر چکا تھا اور اس میں کون کون سی قباحتیں آچکی تھیں؟

تصوّف کا آغاز

تصوف ہی کو قرآنِ مجید کی زبان میں رہبانیت کہا گیا ہے، جو بہت پہلے یہود و نصاریٰ میں پائی جاتی تھی اور جسے قرآنِ مجید نے مذموم قرار دیا ہے۔ رہبانیت یا تصوف کی سب سے اہم بنیاد ترکِ دنیا، یا دنیا کے علائق سے بے رغبتی ہے، اور اس بات کو شریعتِ مطہرہ نے پسند نہیں کیا۔ رہبان جنگل میں کوئی کٹیا بنا لیتے اور اس میں عبادت کیا کرتے تھے۔ نفلی عبادت میں کثرت اگرچہ تقربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے، مگر اس کی بھی ایک حد مقرر کر دی گئی ہے۔ چنانچہ اس حد سے آگے گزر جانے سے تقربِ الٰہی کے بجائے انسان الٹا معصیتِ الٰہی کا مرتکب قرار پاتا ہے۔ دورِ نبویؐ کا مشہور واقعہ ہے کہ تین اشخاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں آپؐ کے گھر کے دروازے پر حاضر ہو کر حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آپؐ کی عبادت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے متعلق پوچھا۔ جب ان حضرات کو اس بارے میں بتلایا گیا تو انہوں نے گویا اس عبادت کو تھوڑا جانا اور کہنے لگے، کہاں ہم اور کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو چکے۔ لہٰذا ہمیں اس سے زیادہ عبادت کرنا چاہیے۔ چنانچہ ایک نے کہا میں ہمیشہ ساری رات قیام کیا کروں گا اور سوؤں گا نہیں۔ دوسرے نے کہا، میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور چھوڑوں گا نہیں۔ تیسرے نے کہا کہ میں زندگی بھر نکاح نہیں کروں گا۔ یہ حضرات[1] ایسی گفتگو کرنے کے بعد چلے گئے۔ آپؐ جب گھر تشریف لائے اور صورتِ حال سے آگاہی ہوئی تو آپؐ نے انہیں بلا کر کہا:

"دیکھو! میں اللہ کا رسولؐ ہوں اور اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ جاننے والا اور اس سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ میں رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، نفلی روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں۔ اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں یہی میرا طریقہ ہے۔ تو جس نے میرے طریقہ کے خلاف کیا، اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔" (بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

اسی طرح کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص کی شادی ہوئی تو آپؓ شادی کے بعد بھی ساری ساری رات قیام میں گزار دیتے اور مسلسل روزے رکھتے چلے جاتے۔ آپ کے والد اور بیوی دونوں اس صورتِ حال سے بہت پریشان تھے۔ آخر باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صورتِ حال بیان کی تو آپؐ حضرت عبداللہؓ کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: "میں نے سنا ہے کہ تم ساری رات قیام کرتے ہو اور سوتے نہیں۔ روزے رکھتے چلے جاتے ہو اور چھوڑتے نہیں؟" حضرت عبداللہ کہنے لگے "ہاں یا رسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان"۔ آپؐ نے فرمایا:

"رات کو قیام بھی کر اور سو بھی۔ کیونکہ تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔" نیز فرمایا "ایک ماہ میں تین روزے رکھ لیا کر، اللہ تعالیٰ دس گنا اجر دیتا ہے۔ گویا تمہارے پورے ماہ کے روزے ہو جائیں گے۔" حضرت عبداللہؓ کہنے لگے "یا رسولؐ اللہ! مجھ میں اس سے زیادہ کی قوت ہے۔" آپؐ نے فرمایا، "اچھا ایک دن روزہ رکھ اور دو دن چھوڑ دے (یعنی مہینہ

---

[1] یہ تین اشخاص حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن عاص، اور حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ بن مظعون تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں دس روزے رکھ لیا کرو!) حضرت عبداللہ کہنے لگے، "یا رسول اللہ! مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے،" آپؐ نے فرمایا، اچھا داؤد علیہ السلام کا روزہ رکھ، جو ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑتے تھے۔ اور اگر دشمن سے مٹھ بھیڑ ہو جاتی تو راہِ فرار اختیار نہیں کرتے تھے۔" پھر فرمایا، "جس نے اس پر زیادتی کی، اس کا کوئی روزہ نہیں۔"[1] (بخاری۔ کتاب النکاح، باب ترغیب النکاح۔ نیز کتاب الصوم باب حق الاہل فی الصوم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ وَلَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَہٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا۔" (بخاری، کتاب الایمان، باب الدین یسر)

"دین آسان ہے۔ اور جو کوئی دین میں سختی کرے گا، دین اس پر غالب آتے گا۔ لہٰذا تم درمیانی چال چلو، اس کے نزدیک رہو اور ثواب کی امید رکھ کر خوش ہو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلو فی العبادت کی اس تحریک کو سختی سے بند کر دیا، لیکن ایک صدی بھی نہ گزری تھی کہ یہ بدعت پوری شدت کے ساتھ اسلام میں در آئی۔ چنانچہ آپ کو تذکروں میں ایسے الفاظ ملیں گے کہ فلاں بزرگ ہر روز ساری رات قیام فرماتے تھے اور ہر رات ہزار رکعت نفل پڑھتے تھے۔ فلاں بزرگ نے چالیس دن کا روزہ رکھا۔ فلاں بزرگ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی فلاں بزرگ ایک رات میں تین بار قرآن ختم کرتے تھے۔ فلاں فلاں بزرگ نے عمر بھر شادی نہیں کی ــــــ اور فلاں بزرگ ہمیشہ روزہ سے رہا کرتے تھے۔ وغیرہ!

ــــــ گویا جن جن باتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا، اس طبقہ صوفیہ نے ایک ایک بات میں آپؐ کا خلاف کیا۔

---

[1] یہی حضرت عبداللہ بن عمرو جب بوڑھے ہو گئے تو باری کا روزہ رکھنے کی تاب نہ رہی۔ اس وقت کفِ افسوس ملتے تھے کہ کاش! میں رسول اللہ کی رخصت قبول کر لیتا۔ مگر چونکہ رسول اللہ سے عہد کر چکے تھے لہٰذا اس کی صورت یہ سوچی کہ پانچ سات اکٹھے روزے چھوڑ دیتے ــ جب طاقت کچھ بحال ہو جاتی تو پھر اتنے ہی دن روزہ رکھ لیتے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صوفیہ کے عقائد و نظریات

طبقہ صوفیہ میں دوسری قسم کی قباحتیں وہ نظریات اور افعال ہیں، جن کا شریعتِ مطہرہ میں سراغ تک نہیں ملتا۔ ان میں سب سے زیادہ گمراہ کن نظریہ، نظریہ وحدت الوجود ہے، جس کی رُو سے کائنات کی ہر چیز اللہ ہی کا ایک حصہ قرار پاتی ہے۔ دوسری صدی ہجری کے آخر میں جب ہارون الرشید عباسی خلیفہ نے بیت الحکمت قائم کیا اور یونانی اور ہندی فلسفہ و یدانت کی کتابوں کے عربی تراجم کئے گئے تو اس دور میں یہ نظریہ اسلام میں در آیا تھا۔ ان ایام میں نفلی عبادات میں غلو کرنے والوں کو عبّاد اور زہّاد کہا جاتا تھا۔ اسی قسم لوگوں میں یہ نظریہ وحدت الوجود اندر ہی اندر پرورش پاتا رہا تا آنکہ محی الدین ابنِ عربی (م ۶۳۸ھ) نے ـــــ جو صوفیہ میں شیخ اکبر کے لقب سے معروف ہیں ـــــ "فصوص الحکم" لکھ کر اس نظریہ کو مدون کیا اور فلسفہ کے رنگ میں پیش کیا۔ اس نظریہ کو آپ ملحدانہ کہئے یا کافرانہ یا مشرکانہ، بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے طبقہ صوفیہ کو اس نظریہ سے گہری عقیدت رہی ہے۔

دوسرا گمراہ کن نظریہ، نظریہ حلول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود کسی بزرگ ہستی میں یوں داخل ہو جاتا ہے کہ اس ہستی سے خدائی افعال سرزد ہونے لگتے ہیں اور وہ ہستی خدائی قوت و قدرت اور اختیار کی مالک بن جاتی ہے۔ اسلام میں جس شخص نے سب سے پہلے اس نظریہ کے زیرِ اثر "انا الحق" کا نعرہ لگایا، وہ حسین بن منصور حلاج ـــ (م ۳۰۹ھ) تھا۔ یہ نعرہ چونکہ خالص کفر و شرک پر مبنی ہے، لہٰذا حکومتِ وقت نے اس خدا کو پہلے سولی پر لٹکایا، لوگوں نے پتھر بھی مارے، بعد میں لاش کو جلا کر اس کی راکھ کو دریائے دجلہ میں بہا دیا گیا۔ بایں ہمہ ہمارے طبقہ صوفیہ کے بڑے بڑے اساطین حلاج کو معذور سمجھتے، اسے رب کا سچا عاشق قرار دیتے اور اس کی طرف سے پورا پورا دفاع کرتے آ رہے ہیں۔

اب ہم چند ایسے نظریات پیش کرتے ہیں جو مسلمان صوفیہ سے ہی تعلق رکھتے ہیں، اور شریعتِ مطہرہ کے خلاف ہیں۔ مثلاً:

۱۔ ولایت کا درجہ نبوت سے افضل ہے۔ یہ نظریہ صوفیہ کے شیخ اکبر نے پیش کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقام النبوۃ فی برزخ ٭ فویق الرسول ودون الولی

"نبوت کا مقام درمیان میں ہے، رسول سے اوپر اور ولی سے نیچے"۔

گویا ابنِ عربی کے نزدیک سب سے بلند درجہ تو ولایت کا ہے، اس کے بعد درمیان میں نبوت کا اور سب سے نچلا درجہ رسالت کا ہے۔

۲۔ جب یہ طے ہو گیا کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ تو شیخ اکبر نے دوسرا کام یہ کیا کہ "خاتم الانبیاء" کے مقابلہ میں "خاتم الاولیاء" کا منصب پیدا کیا، پھر اس منصب پر خود فائز ہو گیا اور کہا ٭

انا ختم الولایۃ دون شک ٭ لورث الہاشمی مع المسیح

"اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ختم الاولیاء ہوں، مجھے حضرت مسیحؑ کی ولایتِ (عامہ) کے ساتھ رسولِ اکرمؐ کی ولایتِ (خاصہ) بھی میراث میں ملی ہے"۔

۳۔ مسلمان صوفیاء کا تیسرا نظریہ یہ ہے کہ "باطنی علوم ظاہری علوم سے افضل ہوتے ہیں"۔ ظاہری علم سے مراد شریعت اور باطنی علم سے مراد ان کے اسرار و رموز ہیں، جو بذریعہ علمِ لدنی سینہ بہ سینہ انہیں حاصل ہوتے ہیں۔ اس نظریہ کو یوں بھی پیش کیا جاتا ہے کہ سب سے کم درجہ پر شریعت ہے۔ اس کے بعد طریقت اور سب سے اوپر حقیقت یا معرفت ہے۔ طریقت اور حقیقت کا علم تو صوفیہ کے پاس ہوتا ہے اور شریعت کا علم علماء کے پاس۔ پھر اسی نظریہ سے ضمنی نتیجہ یہ بھی نکالا جاتا ہے کہ عابد عالم سے افضل ہوتا ہے۔

۴۔ چوتھا نظریہ ان کا باطنی سیاسی نظام ہے، جسے نظامِ خلافت کے مقابلہ پر وضع کر کے اسے ظاہری علومِ حکومت سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ اس نظام کے مناصب یہ ہیں:

نجیب، ابدال، اوتاد، عمود، قطب، غوث۔

ان مناصب کی نشستوں کی تعداد مقرر ہے۔ ایک وقت میں غوث صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ جب دنیا پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے، تو پہلے نجباء پر مشکل کشائی کی درخواست اہلِ دنیا کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔ اگر یہ مشکل کشائی نجباء کے بس کا روگ نہ ہو تو یہ درخواست ابدالوں کے ہاں بھیجی جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس، بالآخر یہ درخواست غوث تک THROUGH PROPER CHANNEL جا پہنچتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غوث کی قوت و اختیارات چونکہ اللہ میاں سے کسی طرح کم نہیں ہوتے (انا للہ) لہٰذا وہ ہر طرح کی مشکل کشائی فرما سکتا ہے۔ پھر اسی ظاہری نظام پر باطنی نظام کی فضیلت سے ایک ضمنی نتیجہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ جہاد بالسیف سے جہاد بالنفس افضل ہوتا ہے۔ پھر مزید یہ کہ جہاد بالنفس سے صوفیہ کی ریاضتیں مراد لے لی جاتی ہیں۔

۵۔ پانچواں نظریہ سالک کے مراحل سے متعلق ہے۔ سالک کو پہلے فنا فی الشیخ کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔ پھر فنا فی الرسول کی منزل آتی ہے، اور سب سے آخر میں فنا فی اللہ کی۔ یہ خالص ہندوانہ نظریہ ہے۔ ان کے ہاں ان مراحل کے نام آتما، مہاتما اور پرماتما ہیں۔

(جاری ہے)

عابد ہیں اسی کے ہم، معبود اللہ ہی

ساجد ہیں اسی کے ہم، مسجود اللہ ہی

ہر فعل مسلماں ہے اللہ کیلئے عاجز

ہر قول مسلماں سے مقصود ہے اللہ ہی!

© rasailojaraid.com